© rasailojaraid.com

حکیم محمد شریف جگرانوی کی وفات

۲۴ر مئی ۱۹۹۹ء کی صبح کو لاہور کے نامور طبیب حکیم محمد شریف جگرانوی اچانک سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ اور یوں ایک متحرک اور ان تھک زندگی کو موت کی آغوش میں سکون مل گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

حکیم محمد شریف کو جاننے والوں نے یہ بھی دیکھا کہ جوں جوں شہرت' مقبولیت عامہ اور دولت نے بڑھ کر حکیم صاحب کے قدم لیے' اسی قدر حکیم صاحب کی شخصیت میں انکساری' خاموشی اور خدمت خلق کے آثار زیادہ اجاگر ہوتے گئے۔ وہ نہ صرف پاکستان بلکہ سعودی عربیہ اور کویت کے شاہی خاندانوں سے بھی تعلقات رکھتے تھے۔ اور جب کبھی بلاوے پر وہاں گئے' تو واپسی پر دونوں حکومتوں نے انہیں اپنی عربی مطبوعات سے بھی نوازا۔

حکیم محمد شریف کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں بچپن میں تعلیم و تربیت کے اچھے موقع میسر آ گئے۔ ان کے والد حکیم محمد اسماعیل فن طبابت کے ساتھ ساتھ روحانیت کا بھی ذوق رکھتے تھے۔ وہ اپنے شہر کے ایک عالم مولانا محمد ابراہیم سے عقیدت رکھتے تھے۔ جو دارالعلوم دیوبند میں علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری کے شاگرد رہ چکے تھے۔ چنانچہ مولانا محمد ابراہیم کے مشورہ سے حکیم محمد اسماعیل نے اپنے بڑے بیٹے محمد شریف کو آغاز شباب (چودہ یا پندرہ سال کی عمر) میں دارالعلوم دیوبند بھیج دیا۔ جہاں وہ علامہ انور شاہ کشمیری کے مکان پر رہتے تھے اور علامہ مرحوم کے بڑے لڑکے سید ازہر شاہ قیصران کا خیال رکھتے تھے۔ انہی دنوں میں والد مرحوم نے خاکسار کو بھی دارالعلوم بھیج دیا تھا اور حسن اتفاق سے خاکسار بھی سید انور شاہ ہی کے مکان پر رہتا تھا۔ وہاں ۱۹۴۵ء میں ہم دونوں میں دوستی کا جو رشتہ قائم ہوا' اسے ۲۴ر مئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۹۹ء کو موت نے توڑ دیا۔

ہم دونوں نے پہلی بار ۱۹۴۵ء میں دارالعلوم کی مسجد میں مولانا سید حسین احمد مدنی کی تقریر سنی، جو انہوں نے جیل سے ابوالکلام آزاد کی رہائی پر کی تھی۔ مولانا موصوف نے ابوالکلام آزاد کی سیاسی بصیرت اور استقامت کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا کہ محمد علی جوہر جیسے بہادر رہنما پر بھی ایک وقت ایسا آیا۔ جب رہ سیاست میں ان کے قدم ڈگمگا گئے اور ایسا ان کے بڑے بھائی شوکت علی کی وجہ سے ہوا۔ لیکن ابوالکلام تحریک آزادی میں سیاست کی جس پر خار راہ پر چلے، آخر تک اس پر پوری استقامت سے چلتے رہے۔

مولانا حسین احمد مدنی ہی کے مکان پر ہم نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری، حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور خان عبدالغفار خان کو دیکھا۔ یہ شخصیات ان کے سامنے یوں بیٹھی تھیں، جیسے ایک مرید باصفا اپنے پیر روشن ضمیر کے سامنے بیٹھا ہوتا ہے۔ طالب علموں نے سید عطاء اللہ بخاری سے ہزار درخواستیں کیں کہ وہ اپنی آتش نوائی سے ممولے کو شاہین سے لڑائیں، لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور کہا کہ حضرت شیخ (مولانا حسین احمد) کی موجودگی میں یہ جسارت کیسے کر سکتا ہوں۔

دارالعلوم میں ہم دونوں نے مولانا معراج الحق سے مقامات حریری، مولانا عبدالسمیع سے مختصر المعانی، مولوی عبدالجلیل کیرانوی سے میبذی، اور مولانا عبدالحق سے جو قیام پاکستان کے بعد اکوڑہ خٹک آ گئے تھے۔ مشکوٰۃ شریف پڑھی۔ مولانا عبدالحق مرحوم کو مولانا مدنی سے بڑی عقیدت تھی۔ مولانا عبدالحق ایک قابل مدرس اور پارسا انسان تھے۔ انہوں نے مشکوٰۃ شریف کے افتتاحی درس میں مولانا مدنی سے درخواست کی کہ وہ درس حدیث کا افتتاح فرمائیں، چنانچہ مولانا مدنی آئے، انہوں نے اپنی تقریر میں جو کچھ فرمایا، وہ آج بھی اس نامراد کو یاد ہے۔ مولانا نے فرمایا: یہ اللہ کا تم لوگوں پر احسان ہے کہ اس نے اپنے دین کی خدمت کے لیے تمہیں چن لیا ہے۔ اس لیے اللہ اور اس کے رسول کے لیے جیو اور ان لوگوں کو نگاہ حسرت سے نہ دیکھو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جنہوں نے اپنے آپ کو دنیا کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ اسی قیام میں دارالعلوم کے مہتمم قاری محمد طیب کو بھی بار بار دیکھنے کا موقع ملا۔ کیا لطیف شخصیت تھی' تقریر کرتے تو پھول برستے تھے۔ نماز میں قرآن مجید پڑھتے تو سننے والے جھوم جھوم اٹھتے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی ہر چند اس وقت دارالعلوم سے کوئی رسمی تعلق نہیں رکھتے تھے۔ لیکن اپنے خوب صورت مکان پر جمعہ کے دن طالب علموں کو اپنے پند و نصائح سے نوازتے اور ناسازی طبع کی بناء پر چارپائی ہی پر لیٹے لیٹے تقریر کرتے۔ معصوم چہرہ' لب و لہجہ عارفانہ' ایک نشست میں انہوں نے توکل علی اللہ پر ایسی پر تاثیر تقریر فرمائی کہ دل میں اترتی چلی گئی۔

القصہ دارالعلوم میں حکیم صاحب کے ساتھ بیتے ہوئے دنوں کی یاد ابھی تک لوحِ قلب سے محو نہیں ہوئی۔ ازہر شاہ قیصر ہمیں اپنے والد مرحوم (سید محمد انور شاہ کشمیری) کی باتیں سناتے' ایک دن شام کو باہر سے آئے تو چند لمحوں کے لیے ہمارے پاس رک گئے اور کہا کہ والد صاحب کبھی مطبخ میں نہیں جاتے تھے۔ لیکن ایک بار سید عطا اللہ شاہ دہلی جاتے ہوئے دیوبند آئے تو ہمارے ہاں انہوں نے کھانا کھایا۔ قبلہ والد صاحب (سید محمد انور شاہ) پہلی بار مطبخ میں گئے اور والدہ سے کہا کہ دیکھنا! کھانا احتیاط سے بنانا' آج جو مہمان آ رہے ہیں' بڑے آدمی ہیں اور انہوں نے دین کی بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا کہنا یہ تھا کہ وہ جب کبھی دیوبند کی راہ سے دہلی جاتے ہیں' تو پھر علامہ انور شاہ کی یاد آگے بڑھنے نہیں دیتی۔ دیوبند میں اتر کر حضرت شاہ صاحب (علامہ سید انور شاہ) کی قبر پر حاضر ہو جاتا ہوں۔

ایک دوسری شام آئے تو انہوں نے مولانا آزاد کے بارے میں باتیں شروع کر دیں اور کہا کہ وہ والد صاحب (انور شاہ) کا بڑا احترام کرتے تھے۔ ان کی وفات پر انہوں نے (ابوالکلام) والدہ کو خط لکھا تھا: "کل شام جب واپس گھر آیا تو محسوس کر رہا تھا کہ میں نے کسی متاعِ عزیز کو گم کر دیا ہے۔ پھر اطلاع ملی کہ علامہ انور شاہ دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔"
ازہر شاہ نے باتیں کرتے ہوئے مزید کہا کہ ابوالکلام آزاد نے اپنے جذبات پر اس قدر قابو پا لیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ ان کے خلاف کوئی تقریر، کوئی مضمون، کوئی گالی انہیں اشتعال نہیں دلا سکتی اور وہ نہایت ہی خاموشی اور صبر سے اپنے خلاف ہر چیز کو سن لیتے ہیں۔

القصہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دنوں کا کب تک ماتم کریں۔ عام کھانے پینے کی چیز اس قدر سستی تھیں کہ آج اس کا تذکرہ کیا جائے تو کسی کو شاید ہی یقین آئے۔ آموں کے موسم میں ایک روپے میں سو آم آتے تھے۔ چھ آنے سیر گوشت ملتا تھا۔ برسات کے موسم میں کوئل چہکتی اور سیاہ گھٹائیں اٹھتیں، تو پتہ چلتا کہ زندگی کس قدر حسین ہے۔ اگر کبھی کشاکش روزگار سے نجات مل گئی۔ تو دارالعلوم میں بیتے ہوئے دنوں کی یاد سپرد قلم کریں گے۔ ۱۹۴۷ء میں تعطیلات پر واپس گھر آئے تو پتہ چلا کہ انگریز جا رہا ہے اور پنجاب تقسیم ہو گیا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورے مشرقی پنجاب میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی، جس نے بہت تیزی سے دیہاتوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ چنانچہ ایک دن دیکھا کہ ہماری پوری بستی اور ایسے ہی ارد گرد کی تمام بستیاں ویران ہو گئیں اور پوری آبادی بے سروسامانی کے عالم میں ایک کیمپ میں منتقل ہو گئی اور پھر ایک دنیا آگ کے دریا میں تیرتی ہوئی لاہور پہنچ گئی۔ لاکھوں انسان راہ ہی میں ڈوب گئے۔ آخر خرابی بسیار کے بعد خاکسار کو ۱۶ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو جامعہ عباسیہ بہاول پور میں داخلہ مل گیا۔ ایک دن صادق ہائی اسکول کے میدان میں پھر رہا تھا کہ اچانک محمد شریف مل گئے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ بڑی مشکل سے لاہور پہنچے تھے۔ آج کل لاہور میں طبیہ کالج میں پڑھتے ہیں۔ خاکسار کو حکوت بہاول پور نے ۱۹۵۳ء میں قاہرہ بھیج دیا اور قاہرہ سے لندن پہنچ گیا۔ ۱۹۶۹ء میں واپس لاہور آ گیا۔ دوسرے دن حکیم صاحب دفتر آ گئے۔ اس کے بعد دارالعلوم کی ساری محفلیں واپس آ گئیں۔ البتہ وہ لوگ جن کے دم سے زندگی کی رونقیں تھیں، ماضی کا حصہ بن چکے تھے۔ غرض ان کی وجہ سے لاہور میں نئے دوستوں سے ملنا آسان ہو گیا۔ چنانچہ لاہور میں مولانا ابو الخیر مودودی، مولانا ادریس کاندھلوی، ڈاکٹر محمد اجمل اور صفدر زینو جیسے اہل علم سے ملنا ہوا اور سالوں تک ملنا رہا، ان ملاقاتوں میں حکیم صاحب ساتھ ہوتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے جو لاہور کی گلی گلی سے واقف تھے۔ اگر وہ اور ان کی کار نہ ہوتی، تو خاکسار جیسے تہی دامن کے لیے متعدد اہل علم سے ملنا دشوار ہو جاتا۔

دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن حکیم صاحب کو بھی برابر ترساتے رہے۔ ان دنوں کی یاد میں وہ ازہر شاہ قیصر اور ان کے بچوں کے لیے برابر یہاں سے تحائف بھیجتے رہے اور کبھی کبھی میری طرف سے بھی۔ چنانچہ ازہر شاہ مرحوم سے ان کی برابر خط و کتابت رہی، جس میں شاہ صاحب خاکسار کے بارے میں برابر پوچھتے رہتے۔ بعد میں دیوبند سے آنے والے نے بتایا کہ ازہر شاہ اور ان کے بچے حکیم صاحب کو یاد کرتے رہتے ہیں۔

حکیم صاحب کا حلقہ احباب وسیع تھا۔ مسلمانوں کے تمام فرقوں سے ملنا جلنا تھا۔ دیوبندی، بریلوی، شیعہ، اہل حدیث۔ لیکن کسی کے خلاف کوئی لفظ بولتے نہیں تھے۔ لاہور میں محترم حافظ عبدالرشید ارشد، مولانا عبیداللہ، مہتمم جامعہ اشرفیہ، رائے ونڈ میں تبلیغی جماعت کے رہنماؤں سے ان کے تعلقات تھے، جس کی وجہ سے وہ مذہبی حلقوں میں بھی جانی پہچانی شخصیت تھے۔ وہ مجھے میرے اپنے اساتذہ کے پاس بھی لے جاتے۔ خاص طور پر مولانا عبدالعزیز رائے پوری اور مولانا محمد عبداللہ بن فقیر اللہ۔

حکیم شریف کا کہنا تھا کہ ان کے طبّی کاروبار میں اللہ نے جو ترقی دی ہے۔ اس میں مولانا ابوالخیر مودودی کی دعاؤں کا اثر ہے۔ سید ابوالخیر مودودی صاحب نے ایک دفعہ خود مجھ سے کہا کہ یہ شخص (محمد شریف) اسم بامسمّی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حکیم محمد شریف، حکیم محمد سعید دہلوی اور حکیم نبی بخش سویدا جیسے بے لوث لوگوں کی وجہ سے پاکستان میں فن طب کا بھرم قائم رہا۔ عجیب اتفاق ہے کہ حکیم محمد سعید اور محمد شریف دونوں کو عامتہ الناس سے محبت تھی۔ حکیم محمد سعید ایک مربوط پروگرام کے تحت کام کرتے تھے، جب کہ حکیم محمد شریف کی بود و باش ایک درویش خدا مست سے ملتی جلتی تھی۔ یہاں یہ بھی کہتا چلوں کہ حکیم صاحب، صاحب احتیاج لوگوں کو مالی امداد سے نوازتے رہے۔ خاکسار نے جب کبھی کسی ایسے آدمی کو ان کے پاس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھجوایا' تو وہ بڑی خندہ پیشانی سے اس سے ملتے اور چپکے سے اسے پیسے دے دیتے۔ جہاں تک اس خاکسار کا تعلق ہے 'کیا بتاؤں کہ ان تیس سالوں میں انہوں نے میرا کہاں کہاں ساتھ دیا ہے۔ "روشنی طبع" جب کبھی مجھ پر بلا بن کر ٹوٹتی' تو وہ فوراً چلے آتے۔ خاکسار اکثر ملک سے باہر چلا جاتا تو وہ بچوں کا خیال رکھتے۔ والد صاحب سے بھی ان کا ملنا تھا۔ القصہ اس حکایت کو کہاں تک دراز کیا جائے۔ یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنے پیچھے نیک اور باادب پانچ بیٹے چھوڑے ہیں اور عطاء اللہ ان کا جانشین ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کو اپنے بے پایاں لطف و کرم سے نوازے اور عطاء اللہ کو اپنے والد کی راہ پر چلنے کی توفیق فرمائے۔

ع: بضاعت سخن آخر شد و سخن باقیست

رشید احمد (جالندھری)

☆☆☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم (مرحوم) کی بلند پایہ کتب

نئے ایڈیشن

		قیمت
۱۔	تشبیہات رومی	200-00 روپے
۲۔	اسلام کا نظریہ حیات	150-00 روپے
۳۔	Metaphysics of Rumi	160-00 روپے
۴۔	Islamic Idealogy	200-00 روپے

اپنے قریبی بکسٹال سے یا براہ راست ہم سے
طلب فرمائیں

ادارۂ ثقافت اسلامیہ

2 - کلب روڈ' لاہور

© rasailojaraid.com